قرآن مجید اور اس کی حفاظت

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

(۸)

از جناب مولانا محمد بدر عالم صاحب میرٹھی استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

اب ہم ان تنقیحات کے بعد حدیث مذکور کی دوسری شرح لکھتے ہیں۔

(۲ و ۳) ابو عبید اور ابن عطیہ کی رائے یہ ہے کہ سبعہ احرف سے مراد تمام عرب کے لغات سبعہ ہیں صاحب قاموس اور ابن اثیر کی رائے بھی یہی ہے تیسرا قول یہ ہے کہ تمام عرب کے لغات مراد نہیں بلکہ صرف قبیلہ مضر کے قبائل سبعہ کے لغات مراد ہیں۔ یعنی قریش۔ کنانہ۔ اسد۔ ہذیل۔ تیم۔ جبۃ۔ قیس۔

اس شرح پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر سبعہ احرف سے مراد عرب کے لغات سبعہ یا خاص مضر کے لغات سبعہ ہوں تو پھر قرآن کریم کے لغت قریش پر نازل ہونے کا کیا مطلب ہوگا۔ اس تقدیر پر بظاہر انزل القرآن علی لغۃ العرب یا لغۃ مضر ہونا چاہئے حالانکہ حدیث میں انزل القرآن علی لغۃ قریش وارد ہے۔

قاضی ابن الطیب اور ابن عبد البر نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ انزل القرآن علی لغۃ قریش کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمام قرآن صرف لغت قریش پر اترا تھا۔ اگر حقیقت یہ ہوتی تو پھر قرآن کریم میں انا انزلناہ قرآنا عربیا کے بجائے انا انزلناہ بلغۃ قریش یا بلغۃ مضر ہونا چاہئے تھا۔ لہذا آیہ کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ نزول قرآنی سب لغات پر ہوا ہے اور لغت قریش کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس لغت کے اثر کا قرآن میں لحاظ رکھا گیا ہے گو اور لغات بھی خال خال استعمال ہوئے ہیں۔ ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم ہر موقعہ و محل کے مناسب جہاں جو لغت زیادہ

فصیح ہوتا ہے وہ اس کو استعمال فرماتا ہے لہذا کبھی ایک معنی کو بعبارت قریش اور کہیں بلغت ھذیل ادا کرتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں فاطر السموات والارض کا مطلب ہی نہ سمجھا یہاں تک کہ میرے پاس دو اعرابی ایک کنوے کے متعلق جھگڑتے ہوئے آئے اور اس میں سے ہر ایک نے یہ دعوی کیا کہ انا فطرتھا یعنی یہ کنواں میں نے کھودا ہے اس وقت میں سمجھا کہ فاطر السموات والارض کے معنی اس لغت کے مطابق مراد لئے گئے ہیں ورنہ اور لغات میں فطر بمعنی ابتدا ہے۔ اسی طرح رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ کا مطلب بھی میرے سمجھ میں نہ آیا جب تک کہ میں نے قبیلہ ذی یزن کی ایک لڑکی کو اپنے شوہر سے یہ کہتے نہ سنا تعال اُفاتحك۔

حافظ ابن حجرؒ[1] ابن قتیبہ دینوری سے سبعہ لغات عرب پر نزول کی یہ تشریح نقل کرتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر ہر کلمہ سات لغات پر نازل ہوا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی کلمہ میں دو لغت کی توسیع اور کسی میں تین کی اور زیادہ سے زیادہ سات تک توسیع وارد ہے۔ اگر ہر کلمہ سات احرف پر نازل ہوتا تو انزل القران علی سبعۃ احرف کے بجائے انزل سبعۃ احرف ہوتا لہذا مراد حدیث یہ ہے کہ مجموع قرآن میں سبعۃ احرف آ گئے ہیں نہ یہ کہ ہر کلمہ سبعۃ احرف پر نازل ہوا ہے۔ ابن عبد البرؒ نے اس قول پر ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ اگر سبعہ احرف سے مراد سبعہ لغات ہوں تو پھر لازم آتا ہے کہ صحابہ کرام میں دائرہ اختلاف صرف وہیں تک محدود رہے جہاں تک کہ لغات کا اختلاف ہو اور جہاں ایک لغت ہو وہاں اختلاف پیدا ہی نہ ہونا چاہئے حالانکہ حضرت عمرؓ و حضرت ہشامؓ کا اختلاف آپ ابھی ملاحظہ فرما چکے ہیں، باوجودیکہ لغت دونوں کی ایک ہی تھی۔ اسی لئے ابن عبد البرؒ نے اس اعتراض سے متاثر ہو کر پہلا قول اختیار کر لیا ہے جس کی تفصیل آپ ابھی ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے ان ہر دو اقوال میں جمع و توفیق کی ایک صورت نکالی ہے وہ فرماتے ہیں کہ احرف کی شرح وہی رکھی جائے جو اول شرح میں گزری یعنی معانی متفقہ کا الفاظ مختلفہ سے ادا کرنا مگر ان الفاظ مختلفہ کو سات لغات میں منحصر کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ لغات عرب کچھ سات لغات میں تو محصور ہیں نہیں مگر قرآنی نزول صرف

---

[1] فتح الباری ج ۹ ص ۲۳۔

ان میں سے سات لغات پر ہوا ہے اور توسیع مذکور ان ہی لغات سبعہ میں جائز ہے جو پہلی شرح میں مذکور ہو چکیں۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس تقریر کے بعد دونوں شروح میں صرف لفظی فرق رہ جاتا ہے مگر جب ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس تقریر کے بعد بھی نتیجہ کے اعتبار سے دونوں میں کافی فرق ہے۔

ابو عمرو دانی تنبیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص سبعہ احرف کی تفسیر سبعہ لغات کرتا ہے اس کے نزدیک احرف سبعہ ایک ختم قرآن شریف میں نہیں پائے جا سکتے۔ مثلاً جس شخص کا لغت عتیٰ ہے وہ اُسے سارے قرآن شریف میں حتیٰ نہیں پڑھ سکتا اور جس کا مختار حتیٰ ہے وہ اسے کہیں عتیٰ نہیں پڑھ سکتا۔ الغرض جس قبیلہ کا جو لغت ہے وہ سارے قرآن میں اسی کا پابند رہیگا۔ مگر جو احرف کی تفسیر وہ کرتا ہے جو شرح اول میں گذری وہ اقبل کی بجائے ھلم اور تعال بیک وقت بھی پڑھ سکیگا۔ اور اس لئے اس کے نزدیک لغات سبعہ ایک ختم میں پائی جا سکتی ہے لہٰذا اختلاف پھر بھی باقی ہے۔

(۴) ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ ہم نے نفسِ کلمہ کے اختلافات پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس کی سات صورتیں ہو سکتی ہیں

ملا حرکت میں تبدیلی ہو صورت اور معنی میں کوئی تبدیلی نہ ہو جیسے ھُنَّ اطھر لکم اور أطھرَ لکم پہلے را پر پیش ہے اور دوسری پر زبر۔

مٹ حرکت کی تبدیلی ہو اور صورت میں کوئی تبدیلی نہ ہو مگر معنی میں اختلاف ہو جیسا کہ رَبَّنا بَاعِد بین اسفارنا اور باعد بصیغۃ الماضی۔

مٹ صورت میں تبدیلی نہ ہو مگر حروف کی تبدیلی کی وجہ سے معنی متغیر ہو جائیں جیسا کہ ننشزھا اور ننشرھا اس میں زا اور را کا فرق ہے اور اس حرف کی تبدیلی کی وجہ سے معنی بھی بدل گئے ہیں۔

مٹ لفظی تبدیلی ہو جائے مگر معنی کے لحاظ سے کوئی تغیر نہ ہو جیسا کالعھن المنفوش اور کالصوف المنفوش عھن اور صوف میں لفظی فرق ہے مگر معنی دونوں کے ایک ہیں۔

مٹ صورت اور معنی دونوں متغیر ہو جائیں جیسا کہ طَلْحٍ منضودٍ اور طَلْعٍ منضود۔ لفظ طلح اور طلع میں لفظی اور معنوی دونوں لحاظ سے فرق ہے۔

۶۔ الفاظ اور حروف کا فرق نہ ہو صرف تقدیم و تاخیر کلمات سے فرق پیدا ہو جائے جیسا کہ وجاءت سکرۃ الموت بالحق اور سکرۃ الحق بالموت۔

۷۔ کسی کلمہ کے زیادۃ و نقصان کی وجہ سے فرق ہو جائے جیسا کہ تسع و تسعون نعجۃ اور نعجۃ انثیٰ۔

علامہ قسطلانی بھی یہی فرماتے ہیں کہ سبعہ احرف سے مراد یہی اختلافات سبعہ ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔

ابن الجزری کا مختار بھی اسی کے قریب ہے وہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے ان اختلافات سبعہ کے علاوہ کلمہ کے طرق ادا کا اختلاف مراد لیا ہے وہ صحیح نہیں ہے مثلاً ادغام و اظہار تفخیم و ترقیق۔ امالہ و اشباع۔ مد و قصر۔ تشدید و تخفیف تلیین و تحقیق۔ کیونکہ ان اختلافات کو احرف کا اختلاف نہیں کہا جا سکتا ہاں صرف صفات ادا کا تنوع کہا جا سکتا ہے

قاسم بن ثابت کو اس شرح پر یہ اعتراض ہے کہ صورت کے اختلاف کا ثمرہ اس جگہ نکل سکتا ہے جہاں قرارۃ مصحف سے ہوتی ہو مگر جہاں لوگ رسم کتابت سے قطعاً نابلد اور امی محض ہوں وہاں کلمہ کے صورت کے اختلاف و اتفاق سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے ماحول میں جو اختلاف بھی ہو سکتا ہے اس کا دائرہ صرف ادائیگی مخارج تک محدود ہوگا۔ کتابت کے اختلاف و اتفاق سے نہ وہ آشنا تھے نہ اس جہت سے ان میں کوئی اختلاف ہو سکتا تھا لہذا صورت کے اختلاف سے جتنی اقسام پیدا ہوتی ہیں وہ یہاں قابل بحث نہیں۔

حافظ ابن حجر[۱] اس اعتراض کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس بیان سے ابن قتیبہ کے قول کی کوئی تردید نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ اعتراض تو اس وقت معقول ہو سکتا ہے جبکہ اس اختلاف کی بنیاد کتابت پر رکھی جائے کیوں جائز نہیں ہے کہ جو اختلافات کہ ان میں باہمی زبانی طور پر رائج تھے ان کو بالاستقرار ان سات اختلافات میں منحصر کہا جائے۔ لہذا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان میں اختلاف کی بنیاد یہ سات وجوہ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو اختلافات ان میں موجود تھے جب ان کو منضبط کیا گیا تو ان سات صورتوں میں منحصر نظر آئے۔ اس انحصار کی وجہ عقلی کچھ نہیں بلکہ محض استقرا ہے

حضرت شاہ ولی اللہ کا مختار بھی مختار ابن قتیبہ کے قریب ہی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ انھوں نے اس اختلاف کو ذرا اور عام کر دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ اختلاف خواہ نفس کلمہ کا ہو یا اس کے طرز ادا کا یہ سب احرف سبعہ کے

ماتحت داخل ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اتنی تعمیم کے بعد پھر عدد سبعہ کا کیا مطلب ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جب نفسِ کلمہ اور طرق ادا کے اختلاف کی یوں بھی سات سات صورتیں ہیں تو اگر ہر دو طریق کا اختلاف مراد لے لیا جائے تو احرف کا اختلاف بجائے سات کے چودہ طریق پر ہونا چاہئے مگر ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عدد سبعہ یہاں تحدید کے لئے ہے ہی نہیں بلکہ شاہ صاحبؒ کے نزدیک محض تکثیر کے لئے ہے لہٰذا ان پر یہ اعتراض وارد ہی نہیں ہوسکتا۔

حضرت شاہ صاحبؒ مسوّی میں فرماتے ہیں

قلت الاظہر ان المراد من الاحرف صفتہ اداء الحروف کالادغام والاظہار والامالۃ او مثل قول الحاکم ہلم وتعال واقبل فانہا بمعنی واحد

میں کہتا ہوں زیادہ ظاہر یہ ہے کہ احرف سے مراد حروف کو ادا کرنے کی صفت ہے۔ مثلاً ادغام۔ اظہار۔ امالہ یا جیسے کسی کا کہنا تعال اور اقبل یہ ایک ہی معنی میں ہیں۔

مصفّیٰ میں اس کی تفصیل حسب ذیل مذکور ہے۔

وانچہ پیش این فقیر مقرر شدہ آنست کہ یک کلام را با رعایت ترتیب نظم عرب بچند وجہ می توانند ادا کرد۔ و ہر یکے حرفیست و این تعدد گاہے بجہت اختلاف مخارج حروف تہجی باشد۔ حتی۔ عتی وگاہے بجہت مدہ و تفخیم و ترقیق و مانند آں وگاہے باستعمال الفاظ مترادفہ مانند فاجر و آثم۔ پس اختلاف قراء سبعہ در تلفظ بانچہ مکتوب است در مصاحف عثمانیہ نیز اختلاف احرف است و اختلاف صحابہ و تابعین در ادا کلمہ بوجہے کہ محتمل مصاحف

میرے نزدیک احرف سبعہ کی تحقیق یہ ہے کہ ایک ہی کلام نظم عربی کے ترتیب کی رعایت سے کئی طریق پر پڑھا جاسکتا ہے اور ان میں سے ہر طریق کا نام حرف ہے کبھی تو یہ اختلاف حروف تہجی کے اختلاف سے پیدا ہوتا ہے جیسا کہ لفظ حتی اور عتی میں اور کبھی طریق ادا سے جیسا کہ ایک ہی لفظ کو صفت ترقیق یا صفت تفخیم سے ادا کیا جائے اور کبھی یہ اختلاف الفاظ مترادفہ کے اختلاف سے پیدا ہوگا جیسا کہ لفظ فاجر اور آثم۔ کہ دونوں ہم معنی ہیں صرف لفظ کا فرق ہے۔ لہٰذا قراء سبعہ کا وہ اختلاف جو کہ مصاحف عثمانیہ کے رسم کتابت کے موافق ہے یا صحابہ و تابعین کا

عثمانیہ نباشد، نیز اختلاف احرف	وہ اختلاف جو رسم مصحف عثمانی کے مخالف ہے۔ یہ سب
است مانند فامضوا۔ فاسعوا۔	اختلافات احرف کا مصداق ہوں گے جیسا کہ لفظ فاسعوا
ودریں صورت ہمہ اختلافات راہ جہے	(مصحفِ عثمانی میں یہی لفظ مکتوب ہے) مگر بعض صحابہ بجائے
پیدا شد۔ بخلاف آنکہ ترتیب نظم	اس کے فامضوا بھی پڑھ لیا کرتے تھے حالانکہ یہ رسم مصحف کے
کلام تغیر فاحش یابد کہ اورا قرآن نتواں	مطابق نہیں تھا مگر اسے بھی احرف کا ایک مصداق سمجھا جائے
گفت وکلامے باشد	ہاں جب نظم کلام میں اس قدر فحش تغیر ہو جائے کہ اس کو
علیحدہ	قرآن ہی کہنا غلط ہو اور گویا وہ ایک دوسرا کلام بن جائے
۔	تو پھر ایسے اختلاف کو احرف کا اختلاف ہرگز نہیں کہا جاسکتا

حضرت شاہ صاحبؒ کے اس کلام سے چند نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

۱۔ اختلاف احرف سے مراد وہ سب اختلافات ہیں جو قرآنِ کریم میں حروف یا تغیر کلمات یا صفاتِ ادا کے لحاظ سے منقول ہوئے۔

۲۔ یہ اختلاف دو قسم کے ہیں ایک وہ جو رسم مصحف کے موافق ہیں دوسرے وہ اختلافات جن کو رسم مصحف گو متحمل نہیں مگر صحابہؓ سے منقول ہیں۔

۳۔ احرف سبعہ کی توسیع کی بنیاد اس پر ہے کہ اس توسیع سے کلام میں اتنا تغیر پیدا نہ ہو کہ اس کو مستقل علیحدہ کلام کہا جاسکے اسی لئے ان سب اختلاف کے ساتھ قرآن سب کا ایک ہی کہلاتا رہا ہاں جب اختلافات کی نوعیت یہ ہو جائے کہ نظم قرآنی بدل کر دوسرا کلام بن جائے تو اس اختلاف کو احرف کا اختلافات نہیں کہا جاسکیگا۔ کیونکہ احرف سبعہ کی توسیع اسی قرآن میں نازل ہوئی تھی یہ نہیں تھا کہ کئی قرآن آسمان سے نازل ہوئے تھے لہٰذا جب تک ایک کلام بدل کر دوسرا کلام نہ بن جائے جو اختلافات منقول ہیں سب احرف کا مصداق ہوں گے۔

تنقیحات | نتیجہ ۱ کی بنیاد اس پر ہے کہ حدیث شریف میں لفظ سبعہ تحدید کے لئے نہیں ہے اس کے متعلق جو اپنی حقیر

رائے تھی وہ پہلے ظاہر کی جاچکی ہے۔ نتیجہ ۲ کی پوری تنقیح آئندہ اوراق میں ہوگی۔

نتیجہ ۳ کے متعلق ہمیں صرف اتنا کہنا ہے کہ تنقیح طلب امر یہ ہے کہ کیا کلام کی تبدیلی کا مدار اس پر ہونا چاہیے کہ اس میں تغیر فاحش ہوجائے یا معمولی ترمیم کو بھی کلام کا تغیر کہا جاسکتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا نظریہ غالباً یہ ہے کہ جب صحابہ کرام سے مترادفات کی تبدیلی منقول ہے تو لامحالہ یہ ماننا پڑیگا کہ اتنی تبدیلی اصل کلام کی تبدیلی نہیں کہی جاسکتی۔ کیونکہ ان تغیرات کے باوجود پھر اس کی کوئی نقل نہیں ہے کہ ان کا قرآن علیحدہ علیحدہ تھا بلکہ قرآن سب کا ایک ہی تھا اور اسی قرآن میں یہ اختلافات بھی موجود تھے لہذا بالیقین اتنی ترمیم کو نفس کلام کی تبدیلی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

مگر امام قرطبی کے بیان سے اتنی تفصیل اور معلوم ہوتی ہے کہ مرادف کا اختلاف اگر صاحب شریعت سے مسموع نہ ہو تو وہ اختلاف بھی گو مرادف کی حد تک رہے مگر اسے کلام کی تبدیلی کہا جائے گا۔ میں بالتفصیل پہلے لکھ چکا ہوں کہ مرادف کی ترمیم جب تک منزل من اللہ کہنے کے قابل نہ ہوجائے احقر کے نزدیک نفسِ کلام کی تبدیلی کے مرادف ہے لہذا ضروری ہے کہ یہ ترمیم بھی سمع پر مقصور رکھی جائے

(۵) پانچواں قول یہ ہے کہ سبعہ احرف سے مراد سبعہ معانی ہیں یعنی امر و نہی۔ وعدو عید۔ قصص و مجادلہ۔ امثال۔ یہ شرح نہایت ضعیف ہے۔ ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ اس بیان سے لازم آتا ہے کہ کسی زمانہ میں معانی کتاب اللہ کی ترمیم کی اجازت بھی ہو حالانکہ اسلام کی تاریخ سے کبھی ثابت نہیں ہوتا کہ قرآنِ کریم میں کسی وقت بھی معانی کی ترمیم کی اجازت ہوئی ہو۔ میں کہتا ہوں کہ یہی مطلب امام طحاوی کا ہے کہ جب آیت رحمت کی جگہ آیت عذاب بن جائے تو اس ترمیم کو برداشت نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ ترمیم کتاب کی ترمیم کہی جائے گی یا بقول حضرت شاہ ولی اللہؒ ایک کلام دوسرا کلام بن جائے گا۔

شیخ جلال الدین سیوطی اتقان[1] میں ماوردی سے نقل فرماتے ہیں کہ یہ قول قطعاً باطل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قرار کو مختلف قرائتیں تعلیم فرمائی ہیں اور یہ بات اجماعاً معلوم ہے کہ آیت تحلیل کی

[1] ج ۱ ص ۴۹

جگہ آیت تحریم پڑھنا قطعاً حرام ہے اس کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے۔ تفسیر خازن[1] میں ہے کہ

واما من قال ان المراد بالأحرف السبعة	جس شخص نے یہ کہا کہ احرف سبعہ سے مراد معانی
معان مختلفة کالاحکام والامثال و	مختلفہ ہیں جیسا احکام۔ امثال اور قصص یہ
القصص فخطأ محض۔	محض غلط ہے۔

ابن جریر طبری نے اس قول کی تردید میں مستقل ایک مقالہ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سبعہ احرف سے معانی مذکورہ مراد لینا اولاً تو اس لئے صحیح نہیں ہے کہ روایاتِ صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ جب کبھی صحابہؓ میں اختلاف احرف کی وجہ سے کوئی تشویش پیش آئی اور معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے دونوں جانبوں کی تصویب فرما کر یہی حدیث ارشاد فرمائی ہے کہ انزل القرآن علی سبعۃ أحرف لہٰذا ان میں سے جو حرف چاہو پڑھ لو درست ہے اگر اختلاف احرف سے مراد احکام کا اختلاف لیا جائے تو یہ ناممکن تھا کہ آپ دونوں جانبوں کی تصویب فرما دیتے اور ہر صحابی کو اپنی اپنی قرارۃ کی اجازت دیدیتے۔ اس کا تو یہ مطلب ہو جاتا کہ ایک ہی واقعہ میں گویا حلت وحرمت کے دونوں حکم جمع ہو سکتے ہیں یا بلفظ دیگر ایک ہی شئے وقتِ واحد میں مامور بہ اور منہی عنہ دونوں ہو سکتی ہے ایسا صریح اختلاف وتناقض قرآنِ کریم میں کب متحمل ہو سکتا ہے ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً۔

دوم یہ کہ کبھی ثابت نہیں ہوتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی واقعہ میں ایسے دو مختلف حکم صادر فرمائے ہوں

سوم یہ کہ ایک ادنیٰ عقل کا شخص بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ اگر احرف کے اختلاف سے مراد معانی کا اختلاف ہوتا تو پھر صحابہ کرام میں باہمی اختلاف کی کوئی معقول وجہ پیدا نہیں ہو سکتی۔ بھلا اس میں کسی کو کیا اختلاف کی گنجائش تھی کہ خدائے تعالیٰ اپنے کلام پاک میں جو احکام چاہے نازل فرمائے لیکن تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ اختلاف شدہ شدہ زمانہ میں اتنا ترقی کر گیا تھا کہ ایک فریق دوسرے فریق کی تغلیط وتضلیل پر اتر آیا تھا گویا ہر فریق اس خیال میں تھا کہ دوسری جماعت اس دوسرے حرف کی وجہ سے قرآن کریم کو بدل رہی ہے۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ اس شرح کی

[1] ص ۹

تردید کے لئے احادیث کے صرف وہ سیاق کافی ہیں جو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں کیونکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول تخفیف کا اصل داعیہ کچھ احکام کا عسر نہ تھا بلکہ امی قوم کی زبان چونکہ لغت قرآن پر ٹوٹتی نہ تھی اس لئے انھیں اصل حرف کی قرأت دشوار تھی۔ لہذا مختلف احرف کی توسیع کر دی گئی تاکہ جس کی زبان پر جو حرف آسان ہو اس طرح وہ تلاوت کرے۔ امام زہری صاف تصریح کرتے ہیں کہ ان احرف میں ہرگز احکام کا کوئی اختلاف نہ تھا صرف الفاظ کا تفاوت تھا اور حکم ایک ہی باقی تھا۔ لہذا یہ کیسے معقول ہو سکتا ہے کہ اختلاف احرف سے مراد معانی کا اختلاف لیا جائے احقر کی رائے ناقص اس مسئلہ میں یہ تھی کہ جہاں تک ممکن ہو اولاً صحابہ کرام کے عہد میں اختلافات کا تتبع کیا جائے اور جو نوعیت ان اختلافات کے بعد قرار پائے اسی کو احرف کا مصداق کہدیا جائے۔ حضرت عمرو ہشام رضی اللہ تعالی عنہما کے اس اختلاف سے جو آپ پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں اس حقیقت کا بہت کچھ انکشاف ہو جاتا ہے مگر افسوس یہ ہے کہ اس کے متعلق حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں حسب ذیل بیان دے رہے ہیں۔

(فصل) لم أقف فی شئی من طرق حدیث عمرؓ علی تعیین الأحرف التی اختلف فیہا عمرؓ وھشامؓ من سورۃ الفرقان۔

حدیث عمرؓ کا کوئی طریق ایسا مجھے معلوم نہیں ہو سکا جس سے یہ متعین ہو جاتا کہ حضرت عمرؓ اور ہشامؓ کا سورۃ الفرقان میں کن احرف میں اختلاف تھا۔

اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ نے ایک طویل فصل لکھی ہے جس میں اس سورۃ میں صحابہ کرام کے اختلافات کی مجموعی تعداد تقریباً ایک سو تیس تک بتلائی ہے۔ اسی طرح دوسرے مقامات پر بھی جہاں صحابہ کے اختلافات ہماری نظر سے گذرے وہ تقریباً سب ہی لفظی اختلافات ہیں اس لئے اتنا تو قریب قریب بیقین سے کہا جا سکتا ہے کہ ان احرف سے مراد معانی تو نہیں ہو سکتے بلکہ اسی نوعیت کے اختلافات ہوں گے جن کو حافظ نے اس جگہ شمار کیا ہے۔ ہاں گفتگو صرف یہ رہے گی کہ ان مجموع اختلافات میں وہ اصل کلی کیا ہے۔ جس کے تحت میں یہ سب اختلافات مندرج ہو جائیں۔ بلاشبہ یہ مرحلہ اسقدر دشوار ہے جس کا طے کرنا کارے دارد۔ اس لئے بعض حضرات نے جب یہ دیکھا کہ احادیث میں عدد سبعہ مذکور ہے تو انھوں نے سات کا عدد قائم رکھنا لازم

سمجھا مگر اس میں ان کو دشواری پیش آئی۔ لہذا اپنے خیال کے مطابق ان سات احرف سے مراد ایسے سات اختلافات لیے جو اُن کے زعم میں ان سب اختلافات منقولہ کو سات کے عدد میں جمع کر سکیں اور بعض نے جب یہ دیکھا کہ اس عدد کا قائم رکھنا تکلف بارد ہے تو یہ کہدیا کہ عدد سبعہ محض تکثیر کے لئے ہے لہذا یہ جماعت ان اختلافات منقولہ اور حدیث میں لفظ سبعہ کے درمیان توفیق دینے سے مستغنی ہوگئی۔ اس لئے مجبوراً اس کشاکش میں شروح کا دامن وسیع ہوتا چلا گیا۔

حافظ ابن تیمیہؒ (فتاوی جلد اول) فرماتے ہیں کہ علماء کا اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جن احرف پر قرآن نازل ہوا تھا معنی کے لحاظ سے ان میں کوئی تضاد و تناقض نہ تھا ہاں اگر اختلاف تھا تو حسب ذیل صورتوں میں تھا جن کو اختلاف تنوع کہا جا سکتا ہے مگر اختلاف تضاد نہیں کہا جا سکتا۔

(۱) الفاظ مختلف اور معنی متقارب جیسا کہ اقبل اور تعال۔

(۲) معنی بھی مختلف ہوں مگر یہ اختلاف صرف تغایر کی حد تک ہو جیسا کہ غفوراً رحیماً کے بجائے عزیزاً حکیماً پڑھنا ایک مرفوع حدیث ہے۔ انزل القرآن علی سبعۃ احرف ان قلت غفوراً رحیماً۔ او عزیزاً حکیماً فاللہ کذلک مالم تختم آیۃ رحمۃ بآیۃ عذاب او آیۃ عذاب بآیۃ رحمۃ۔ یعنی غفوراً رحیماً کی جگہ عزیزاً حکیماً اور اسی طرح عزیزاً حکیماً کی بجائے غفوراً رحیماً سب پڑھنا جائز ہے کیونکہ یہ سب خدا تعالیٰ کی صفات ہیں۔ ہاں جس وقت کہ اتنا اختلاف ہو جائے کہ آیت رحمۃ کی جگہ آیت عذاب اور آیتِ عذاب کی جگہ آیت رحمت بن جائے تو یہ جائز نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ غفوراً رحیماً اور عزیزاً حکیماً میں اختلاف تو ضرور ہے مگر یہ اختلاف تضاد نہیں ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ میں یہ سب صفات موجود ہیں اس اختلاف کو معنی کے تنوع اور تغایر سے تو تعبیر کیا جا سکتا ہے مگر اختلاف تضاد نہیں کہا جا سکتا۔

(۳) تیسرا اختلاف یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معنی من وجہٍ متفق اور من وجہٍ متباین ہوں جیسا کہ لمستم اور لامستم ایسے اختلاف کے متعلق علماء کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ دو حروف بمنزلہ دو آیتوں کے متصور ہوں گے اور جیسا کہ دو

آیتوں پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح ان حروف پر ایمان لانا بھی ضروری ہوگا۔ اب رہا وہ اختلاف جس کا تعلق صفت نطق سے ہو جیسا کہ اظہار وادغام وغیرہ تو اسے لفظ کا اختلاف نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ صرف صفت ادار کا تنوع ہوگا۔

یہ وہ شروح خمسہ تھیں جن کو امام قرطبی نے اس حدیث کی شرح میں اپنے مقدمہ تفسیر کے لئے منتخب کیا تھا ہم نے ضمناً اس کے متعلق وہ مخالف و موافق پہلو بھی جو ہماری نظر میں تھے نہایت صفائی کے ساتھ آپ کے سامنے رکھدیئے ہیں اور اس کے بعد جو اپنی رائے ناقص میں آیا وہ بھی ظاہر کردیا ہے۔ اس کے بعد یہ تنبیہ کرنا ضروری ہے کہ بعض علمار نے سبعہ احرف اور سبعہ قرارت کو ایک ہی چیز سمجھا ہے یہ محض غلط خیال ہے اس کا منشأ صرف اتنا ہے کہ عدد سبعہ چونکہ دونوں جگہ مشترک تھا لہٰذا دماغ نے یہ بات پیدا کرلی کہ ہو نہ ہو وہ سبعہ احرف بھی سبعہ قرائت ہیں۔ امام قرطبی نے اس خیال کے ابطال میں مستقل ایک فصل لکھی ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

ابن النحاس وغیرہ فرماتے ہیں کہ اکثر علمار جیسا کہ داؤدی اور ابن ابی صفرۃ وغیرہما کا مختار یہی ہے کہ احرف سبعہ اور قرارت سبعہ ایک چیز نہیں ہیں بلکہ قرارت سبعہ ایک ہی حرف کی طرف راجع ہیں یہ حرف وہی حرف ہے جس پر کہ حضرت عثمانؓ نے مصحف کی بنیاد رکھی تھی۔

رہ گئیں قرارت سبعہ تو درحقیقت یہ اُن ائمہ کے مختارات ہیں جن کی طرف یہ قرارت منسوب ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ حرف قرآنی ہیں جو قرارت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے علی سبیل التواتر مروی تھیں۔ جب مختلف بلاد کے مختلف افراد میں مشہور ہوگئیں تو جس کو جو قرارت زیادہ پسند آئی اس نے اسی قرارت کو اپنا دستور العمل بنالیا۔ مثلاً امام نافع کو جو قرارت پسند آئی وہ ان کی طرف منسوب ہوئی ان قرارمیں سے کبھی کسی نے دوسرے کی قرارت سے منع نہیں فرمایا اور نہ وہ قرارت جو حضرت نبوت سے ثابت ہیں کبھی ممنوع کہی جاسکتی ہیں۔ صرف اختلاف اپنے اپنے ذوق کے مطابق اپنے اپنے مختارات میں تھا اسی رائے کو قاضی ابوبکر ابن الطیب اور طبری نے پسند فرمایا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اختلاف احرف کی جو روئداد ہمارے سامنے ہے اُس سے ظاہر ہے کہ احرف سبعہ میں صحابہ کرام کے اختلاف کی جو نوعیت منقول ہے وہ قرأت سبعہ میں اختلاف کی نوعیت کے بالکل مخالف ہے۔ یہاں قرارت سبعہ کے جواز میں کسی کو کلام نہیں حتی کہ ابن عطیہ اس پر سب کا اتفاق نقل فرماتے ہیں اور ادہر اختلاف احرف میں اتنی شدت کہ ایک جماعت دوسری جماعت کی تغلیط بلکہ تضلیل میں مشغول نظر آرہی ہے پھر قرارت سبعہ کو احرف سبعہ کا مصداق کیسے کہا جا سکتا ہے۔ نیز یہ کہ قرأت سبعہ میں اختلاف قرار کے ما بین ہے اور احرف سبعہ کا اختلاف ان سے کہیں پہلے زمانہ نبوت میں تھا اسی طرح بہت سے وہ اختلافات جو صحابہؓ میں پائے جاتے ہیں قرار میں ان کا کہیں پتہ نہیں ملتا پھر ان دونوں کو ایک قرار دینا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

امام بخاریؒ نے ایک طویل حدیث تحریر فرمائی ہے جس میں حضرت حذیفہؓ کے فتح آرمینیہ سے واپسی پر حضرت عثمان غنیؓ سے ایک طویل گفتگو نقل فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ تھا کہ جب مختلف اطراف سے لشکر اسلام جمع ہوئے تو میں نے دیکھا کہ ان میں جدا جدا احرف کی قرارت کی وجہ سے ایک عظیم اختلاف برپا ہو گیا ہے حتی کہ اب خطرہ یہ لاحق ہونے لگا کہ جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنی آسمانی کتابوں میں اختلاف پھیلا دیا کہیں یہ امت بھی اپنی کتاب میں اختلاف نہ کر بیٹھے۔ لہذا کوئی تدبیر ایسی فرمایئے کہ ان میں یہ اختلاف رفع ہو جائے۔ حضرت عثمانؓ نے سب سے عمدہ یہی تدبیر سوچی کہ ایک ایسا مصحف مرتب کر دیا جائے جس میں صرف ایک ہی حرف لکھا جائے اور اسی کے مطابق اکناف و اطراف میں قرارت کی جائے۔

اس واقعہ کی تفصیل ازالۃ الخفاء میں مذکور ہے اس وقت ہمیں اس واقعہ کی تنقیح اور اس کے نتائج سے بحث نہیں ہے بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ اس بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مصحفِ عثمانی صرف ایک حرف پر مشتمل تھا اب اگر حرف اور قرارت کا مصداق ایک کہا جائے تو لازم آتا ہے کہ قرارت سبعہ بھی مصحفِ عثمانی میں نہ ہوں حالانکہ مصحفِ عثمانی کا قرارت سبعہ پر مشتمل ہونا مجمع علیہ مسئلہ ہے۔

اسی لئے امام قرطبی نے اس جگہ یہ لکھا ہے۔

وھذا أدل دلیل علی بطلان من قال — اور یہ اس پر سب سے بڑی دلیل ہے کہ جس شخص
ان المراد بالأحرف السبعة قرأءة — نے احرف سبعہ اور قرارت سبعہ کو ایک سمجھا یہ
القراء السبعة [1] — بالکل باطل ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں[2] کہ اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جن احرف سبعہ پر قرآن نازل ہوا تھا وہ یہ قرارت سبعہ مشہورہ نہیں ہیں اور سب سے پہلے جس نے ان قرارت کی تدوین کی ہے وہ امام ابوبکر بن مجاہد (متوفی ۳۲۴) ہیں۔ انھوں نے یہ خیال فرماکر کہ احرف قرآن چونکہ سات ہیں لہٰذا یہ مناسب سمجھا کہ قرارت بھی سات ایک جگہ جمع کردی جائیں تاکہ عدد قرأت بعدد أحرف ہو جائے۔ لہٰذا حرمین شریفین عراق وشام میں سے سات اماموں کا انتخاب فرماکر ان کی قرارت کی تدوین کردی اس لئے سبعہ قرارت کی شہرت ہوگئی ورنہ نہ خود امام ابن مجاہد کا اور نہ ان سے قبل کسی کا یہ خیال ہوا ہے کہ احرف سبعہ اور قرارت سبعہ ایک ہی چیز ہیں۔ اسی لئے بعض ائمہ قرارت نے تو یہ بھی لکھدیا ہے کہ اگر ہم سے پیشتر ابن مجاہد نے سبعہ قرارت میں امام حمزہ کی قرارت شمار نہ کی ہوتی تو ان کی بجائے ہم یعقوب حضرمی کی قرارت کو شمار کرتے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں[3] کہ مکی بن ابی طالب نے (متوفی ۴۳۷ھ) نے لکھا ہے کہ دوسری صدی تک لوگ بصرہ میں ابوعمرو اور یعقوب کی قرارت اور کوفہ میں حمزہ وعاصم کی اور شام میں ابن عامر اور مکہ میں ابن کثیر اور مدینہ میں نافع کی قرارت پڑھتے رہے یہاں تک کہ تیسری صدی کے شروع میں ابن مجاہد نے یعقوب کی بجائے کسائی کا نام درج کردیا۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں[4] کہ ائمہ قرارت ان ائمہ مشہورہ سے برتر یا ان کے ہم رتبہ اور بھی ہوئے ہیں مگر پھر بھی صرف سات قرأت پر اقتصار کا داعیہ یہ ہوا ہے کہ جب علماء نے جملہ قرارت کے تحفظ سے عوام کی ہمتیں قاصر دیکھیں تو صرف ان ائمہ کی قرارت پر اقتصار کرلیا جو بلحاظ تقویٰ وورع اور ممارست فن قرارت وکثرت مستفیدین

---

[1] ج ۱ ص ۵۰۴۔ [2] فتاوی ج ۱ ص ۳۱۲ [3] [4] فتح الباری ج ۹ ص ۲۶۔

شہرت یافتہ اور زیادہ معروف تھے مگر اس کے باوجود نہ دوسرے اماموں کی قرارت ترک ہوئی نہ ان کا تناقل متروک ہوا

ابن جبیر مکی نے اگر اپنی تصنیف میں صرف پانچ قرارت پر اقتصار کیا تو اس لئے کہ ان کے نزدیک مصاحف عثمانیہ پانچ تھے لہذا بعدد مصاحف انھوں نے قرارت بھی جمع کیں۔ بعض علمار فرماتے ہیں کہ مصاحف عثمانیہ کی تعداد سات تھی لہذا ابنِ مجاہد نے اسی عدد کے مطابق سات قرارت جمع کر دیں حسب الاتفاق چونکہ یہی عدد احرف قرآنیہ کا بھی تھا اس لئے اب جس شخص کو اصل واقعہ کی خبر نہیں ہے وہ یہ سمجھنے لگا کہ یہ قرارت سبعہ وہی احرف سبعہ ہیں، مزید براں یہ کہ بعض جگہ قرارت ائمہ پر حرف کا اطلاق بھی ہوا ہے جیسا کہ حرف نافع اور حرف عاصم کہا جاتا ہے لہذا اس نے اس ظن فاسد کو اور تقویت دیدی اور وہ یہ سمجھ گیا کہ درحقیقت یہی قرارت احرف سبعہ کا مصداق ہیں حالانکہ یہ محض غلط تھا۔

حافظ ابن حجر[۵۱] ابنِ عمار (متوفی ۴۳۰ھ) سے نقل فرماتے ہیں کہ جس شخص نے سبعہ قرارت کی تدوین کی اُس نے نہایت نامناسب کیا۔ کاش کہ وہ ایک عدد کم یا زیادہ کر دیتا تو جو اشتباہ اَحرف قرآنیہ اور قرأت کا اس وقت عوام کو پیش آگیا نہ پیش آتا۔ امام ابوشامہ فرماتے ہیں کہ ابنِ مجاہد نے سبعہ قرارت کی تدوین سے یہ ارادہ ہی نہیں فرمایا تھا جو ان کی طرف منسوب ہوا بلکہ جس نے ان کی طرف یہ نسبت کی، یہ غلطی اسی کی ہے۔

الحاصل یہ بات بوضاحت ثابت ہوگئی کہ احرف سبعہ اور قرارت سبعہ ایک چیز نہیں اور نہ احرف سبعہ کی شرح قرارت سبعہ کرنا صحیح ہے۔ شرح حدیث سے فارغ ہو کر اب ہم یہ بحث کرنا چاہتے ہیں کہ یہ اَحرف سبعہ بحالتِ موجودہ مصحفِ عثمانی میں موجود ہیں یا بجز حرف موجود کے سب منسوخ ہیں اور اگر منسوخ ہوئے تو کب منسوخ ہوئے۔ ابنِ حزم[۵۲] کی رائے تو یہ ہے کہ سب حروف باقی ہیں اور سب ہی مصحفِ عثمانی میں موجود ہیں بھلا یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ جن احرف پر قرآنِ کریم نازل ہوا سے نسخ کر کے کوئی شخص دائرہ اسلام سے خود خارج ہو جائے۔

---

۵۱ فتح الباری ج ۱ ص ۲۵۔ ۵۲ کتاب الفصل ج ۲ ص ۶۵۔

قاضی ابوبکر باقلانی وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے وہ فرماتے ہیں کہ احرف سبعہ سب مصحف عثمانی میں موجود ہیں کیونکہ جب ان احرف پر قرآن کا نزول ثابت ہے تو یہ بات غیر ممکن ہے کہ امت بعض حروف کا تحفظ کرے اور بعض کو قصداً ترک کردے۔ اور نہ یہ معقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بعض حروف کی قرأت کی ممانعت کردی جائے اور بعض کی اجازت باقی رکھی جائے۔

امام طحاوی اور طبری اور جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ احرف سبعہ میں سے چھ منسوخ ہوگئے اور صرف ایک حرف مصحف عثمانی میں باقی ہے۔ اور یہ قرارت سبعہ اسی ایک حرف میں جاری ہیں۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ قرآن کریم ایک ایسی امی قوم میں نازل ہوا تھا جس کے اکثر افراد کتابت سے ناواقف تھے محض یادداشت سے قرآن کریم تلاوت کیا جاتا تھا ایسی صورت میں اس کے سوا اور چارہ ہی کیا تھا کہ ہر شخص کو اس کی مقدرت کے موافق قرارت کرنے کی اجازت دیدی جاتی۔ لیکن شدہ شدہ جب اسلام نے ان میں تعلیمی روح پھونکدی تمدن اور تہذیب ان میں پیدا ہونے لگا۔ کتابت کی اشاعت سے وہ آشنا ہوگئے تو ان کی زبان بھی صحبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ترقی پاگئی اور وہ آخر کار اس قابل ہوگئے کہ قرآن کریم کو اصل لغت پر جس پر کہ وہ ابتدائً نازل ہوا تھا بآسانی پڑھنے لگے۔ لہذا ضروری طور پر جو رخصت ان کو ابتدا میں دی گئی تھی وہ بھی ختم کردی جائے۔ یہی رائے ابن عبدالبر کی ہے اور اسی کو قاضی ابن الطیب نے اختیار کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ سمیعا علیما کی جگہ عزیزاً حکیما پڑھنا گو ابتدا میں جائز تھا مگر بعد میں منسوخ ہوگیا لہذا اب اسمار الہیہ رسم مصحف کے مطابق اپنی اپنی جگہ جیسا کہ مکتوب ہیں اسی کے موافق پڑھنا لازم ہیں (ملاحظہ کیجئے تفسیر قرطبی)

ابن جریر طبری نے بھی اس جگہ ایک طویل کلام کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ احرف سبعہ جس زمانہ میں بھی پڑھے جاتے تھے وہ صرف حد توسع میں داخل تھے کبھی ان کی قرارت امت پر لازم نہیں قرار دی گئی اور اس کی بہت واضح دلیل یہ ہے کہ اگر احرف سبعہ کی قرارت لازم وفرض ہوتی تو یقیناً آئندہ بھی ان کو نقل کیا جاتا لیکن جب موجودہ حرف کے سوا اور حروف کا روایت کرنا ہی بند ہوگیا تو اس سے صاف یہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے

کہ ان کی قرارت واجب و لازم نہ تھی لہذا دورِ عثمانی میں جب قرارت کا اختلاف رونما ہوا حتیٰ کہ ایک دوسرے کی تکفیر تک نوبت پہنچنے لگی تو اس توسیع کو باجماع صحابہ ایک بڑے مفسدہ کے بند کرنے کے لئے ختم کر دیا گیا۔ اس کی مثال واجب مخیّر کی سی ہے جس میں سے شرعاً کسی ایک پر عمل کرنا کافی ہو جاتا ہے اور سب پر عمل کرنا لازم نہیں ہوتا اسی طرح اَحرف سبعہ ہیں جن میں ہر ہر حرف کی قرأت کافی و شافی تھی لہذا ایک عظیم فتنہ کے فرو کرنے کے لئے اگر بقیہ حروف کی قرأت ترک کر دی گئی تو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

امام طحاوی اور امام طبری اگرچہ دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ احرف سبعہ میں سے چھ حرف منسوخ ہو چکے ہیں مگر بظاہر اتنا فرق معلوم ہوتا ہے کہ امام طحاوی کے نزدیک یہ توسیع عہد نبوت ہی میں ختم ہو چکی تھی اور ابن جریر طبری کی تقریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ توسیع خلیفہ ثالث کے عہد تک باقی تھی اور اسی عہد میں بعض مصالح کے پیش نظر ختم کر دی گئی۔ اسی فرق پر علامہ قسطلانی نے شرح بخاری[1] میں تنبیہ فرمائی ہے۔

مختار امام طحاوی پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر یہ توسیع عہد نبوت میں ختم ہو گئی ہوتی تو پھر عہد ثالث تک اس توسیع پر عمل کیسے ہوتا رہا اور مختار امام ابن جریر پر یہ اشکال ہے کہ جو حروف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں معمول بہ تھے وہ بعد میں متروک کیونکر ہو سکتے ہیں۔ حقیر کے نزدیک اس بارے میں طبری کا مختار راجح ہے اور جو اشکال ان پر وارد ہوتا ہے اس کا جواب خود ان کی تقریر میں مذکور ہے دوبارہ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ البتہ امام ابن جریر کی تقریر پر ایک اعتراض یہ ضرور وارد ہوتا ہے کہ اگر احرف سبعہ بمنزلہ واجب مخیّر تھے تو پھر حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرارت "عتی حتی" کو کیوں منع فرمایا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں[2] کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو لکھا کہ قرآن ھذیل کی لغت میں نازل نہیں ہوا بلکہ لغت قریش پر نازل ہوا ہے لہذا لوگوں کو لغت قریش ہی میں قرآن کی تعلیم دیجئے اور لغت ھذیل میں تعلیم نہ دیجئے اور چونکہ حتی کی بجائے عتی پڑھنا لغت قریش نہیں ہے لہذا اس کی تعلیم نہ دیجئے

---

[1] شرح بخاری ج ۷ ص ۴۵۴۔ [2] فتح الباری ج ۹ ص ۲۲۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس کے چند محامل بیان فرمائے ہیں ہمارے نزدیک سب سے اقرب وہ ہے جسے حافظ نے اپنے آخر کلام میں ذکر فرمایا ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے "قرآن کریم میں سبعہ احرف کی توسیع صرف عرب کے ساتھ مخصوص تھی کیونکہ وہ عہد طفولیت میں اپنے اپنے قبیلہ کے حرف کے عادی ہو جاتے تھے پھر بڑے ہوکر دوسرے قبائل کے حروف کا ادا کرنا انھیں نہایت دشوار ہوتا تھا لہٰذا اس توسیع کا فائدہ بھی ان ہی کی ذات تک محدود تھا۔ لیکن دوسرے اشخاص جن کے لئے جملہ حروف یکساں تھے اس توسیع سے فائدہ اٹھانے کے مجاز نہ تھے اس بنا پر غیر عرب کے لئے ضروری تھا کہ وہ لغت قریش ہی کی پابندی کریں بلاوجہ اس لغت کا ترک کر دینا جس پر کہ قرآن دراصل نازل ہوا تھا صحیح نہیں تھا۔ یہی مطلب حضرت عمرؓ کے فرمان کا ہو سکتا ہے کہ اے عبداللہ بن مسعودؓ آپ عرب کے سوا دوسرے اشخاص کو لغت ھذیل کی تعلیم نہ دیجئے۔"

ہمارے نزدیک اس تقریر پر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ عہد نبوی میں سبعہ احرف کی رخصت عرب کے ساتھ مخصوص تھی۔ بظاہر اس تخصیص کے لئے کوئی قرینہ نہیں ہے گو یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ اسلام اس وقت تک عرب سے باہر نکلا ہی نہ تھا اس لئے یہ بات صاف نہ ہوئی کہ غیر عرب کا اس بارے میں کیا حکم ہے اور کیا وہ بھی اس رخصت سے مساویانہ طور پر عرب کی طرح استفادہ کر سکتے ہیں یا ان کے لئے لغت قریش ہی کی پابندی لازم ہے مگر احادیث کے الفاظ بہت صفائی سے دلالت کرتے ہیں کہ دعار تخفیف کے وقت آپ نے اپنی ساری امت کو پیش نظر رکھا تھا صرف عرب آپ کے پیش نظر نہ تھے۔ اس لئے ہماری رائے میں تو یہ آسان معلوم ہوتا ہے کہ یوں کہدیا جائے کہ حضرت عمرؓ کا مطلب صرف اس قدر تھا کہ جو شے بحد اباحت مشروع ہوئی ہو وہ بھی بدرجہ مجبوری اس کی زیادہ توسیع نہ کی جائے اور لغت قریش جو دراصل قرآن کا لغت ہے اسی پر قرآن کی تعلیم دی جائے۔ لغت ھذیل اگرچہ مباح تھی لیکن اصل لغت نہیں ہے اس لئے بلاوجہ اس کی تعلیم نہ دی جائے۔ سلسلہ تعلیم میں اسی لغت کی اشاعت مناسب ہے جو دراصل لغت قرآنی ہو۔

اس جواب کی بنیاد اسی تقریر پر ہے جو ابن جریر نے اختیار فرمائی ہے یعنی یہ کہ ان حروف کی توسیع

بحد اختیار تھی نہ بدرجہ وجوب۔ نیز یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ممانعت اس خیال سے بھی ہو کہ خواہ مخواہ دوسرے لغات کی تعلیم میں اختلاف کی بنیاد کا استحکام ہوتا ہے اس لئے حتی الوسع یہی مناسب ہے کہ ایک ہی لغت پر قرآن شریف پڑھا جائے۔ سبحان اللہ وہ آنکھیں کیا دور بیں تھیں جنھوں نے حضرت عثمانؓ کے زمانہ کے اختلاف کو کتنے پہلے دیکھ لیا تھا۔ آخر یہی اختلاف احرف خلیفہ ثالث کے دور میں باعث تشویش ہوا اور بالآخر وہی کرنا پڑا جو حضرت عمرؓ کی زبان سے نکل چکا تھا۔

ہمارے نزدیک احرف ستہ کے منسوخ اور غیر منسوخ ہونیکی بحث غالباً تفسیر حرف پر مبنی ہے امام طحاویؒ وطبری نے چونکہ یہ اختیار فرمایا ہے کہ توسیع اَحرف کا مطلب الفاظ مترادفہ سے ترمیم کی اجازت تھی لہذا انھوں نے چھ حروف کو منسوخ فرمایا کیونکہ مصحفِ عثمانی میں سوائے اصل لغت کے بقیہ لغت کا کہیں نام ونشان نہیں ہے مثلاً یاموسی اقبل ولاتخف میں لفظ اقبل اصل لغت قرآنی ہے اب تعال اور ھلم وغیرہا مصحفِ عثمانی میں کہیں مکتوب نہیں لہذا بلا تردد کہا جاسکتا ہے کہ یہ سب حروف منسوخ ہوگئے۔ اس معنی کے لحاظ سے نہ قاضی باقلانی کو انکار ہوسکتا ہے نہ کسی اور شخص کو اور اگر حرف کی تفسیر ایسی کی جائے جس کا رسم مصحف بھی متحمل ہو تو بلاشبہ اس معنی کے اعتبار سے احرف سبعہ کے باقی رہنے میں نہ امام طحاوی کو نہ اور کسی کو کچھ کلام ہوسکتا ہے۔ لہذا اب یہ اختلاف صرف تفسیر اختلاف حرف کی طرف راجع ہوجائیگا اور اپنے اپنے مختار کے موافق ہر فریق کا دعوٰی صحیح ہوجائیگا۔

بحث کے خاتمہ پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس مسئلہ میں اپنے شیخ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ قدس سرہ کی قیمتی رائے بھی پیش کردیں۔ گو کبھی خصوصی طور پر اس مسئلہ میں ہمیں شیخ مرحوم سے استفادہ کا موقع نہیں مل سکا مگر جہاں تک عام درس کی تحقیقات سے استفادہ ہوسکا ہے اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ شیخ کی رائے عالی وہی تھی جو کہ ابن الجزری اور علامہ قسطلانی کی ہے۔

(باقی آئندہ)